بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اسلام کامل

اَلۡحَمۡدُلِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ o وَالۡعَاقِبَۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ o وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ النَّبِیِّ الۡکَرِیۡمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَاَزۡوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ وَاَھۡلِ بَیۡتِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ o

فرمانِ حق تعالیٰ ہے :-یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا ادۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّۃً ص وَّلَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّیۡطٰنِ ط اِنَّہٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ o (پارہ2 سورۃ البقرہ آیت208)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اسلام میں پُورے پُورے داخل ہوجاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو کہ بے شک وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔''

بظاہر تو یہ آیتِ مبارکہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور آپ کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی کہ اسلام قبول کرنے سے پہلے آپ علمائے یہود میں ایک ممتاز عالم دین تھے اس لئے اسلام لانے کے بعد بھی آپ شریعت مُوسوی کے بعض احکام کو زیرِ عمل رکھتے تھے مثلاً ہفتے کے دن کی تعظیم کرتے تھے اور اس روز مچھلی کے شکار سے پرہیز لازم جانتے تھے، اونٹ کے گوشت اور دودھ سے بھی پرہیز کرتے

تھے کیونکہ توریت میں ان سے اجتناب لازم تھا لیکن اسلام میں چونکہ یہ چیزیں مباح ہیں اس لئے اُن کی اِصلاح کے لیے فرمایا گیا کہ کہ احکام اسلام کی پُوری پُوری اتباع کرو کہ اب شریعتِ موسوی کے احکام منسوخ ہوچکے ہیں اس لیے اُن پر عمل پیرا رہنا اب ہرگز روا نہیں لیکن بباطن یہ آیتِ مبارکہ بہت وسیع معانی کی حامل ہے۔

کامل اسلام کے متعلق عام تصور یہ ہے کہ اگر کوئی شخص پروقت طہارت سے رہتا ہے، نماز وروزہ وحج وزکوٰۃ کی ادائیگی پابندی سے کرتا ہے، اخلاقی اقدار کی کامل پاسداری کرتا ہے، اکل الحلال اور صدق المقال کا خاص خیال رکھتا ہے، معاشرتی ذمہ داریوں کو اچھی طرح نبھاتا ہے، ہر قسم کے خصائلِ رذیلہ سے مکمل اجتناب کرتا ہے، اخلاق حسنہ کا پیکر بن کر معاشرے میں عدل واحسان قائم کرتا ہے، ہر قسم کی برائی کے خلاف نبرد آزما رہتا ہے اور احکام شریعت پر سختی سے عمل پیرا رہتے ہوئے ہمیشہ قائم اللّیل اور صائم الدہر رہتا ہے تو سمجھا جاتا ہے کہ وہ اسلام میں پورا پورا داخل ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے کیونکہ جب تک وہ شریعت کامل کو اختیار نہیں کرتا وہ اسلام میں پورا پورا داخل نہیں۔شریعتِ کامل اسلام کے ظاہری اور باطنی دونوں پہلوؤں پر عمل کرنے کا نام ہے جیسا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا ہے کہ:-''اَلشَّرِیۡعَۃُ شَجَرَۃٌ وَالطَّرِیۡقَۃُ اَغۡصَانُھَا وَالۡمَعۡرِفَۃُ اَوۡرَاقُھَا وَالۡحَقِیۡقَۃُ ثَمَرُھَا وَالۡقُرۡاٰنُ جَامِعُ جَمِیۡعِھَا۔''

ترجمہ:-''شریعت ایک درخت ہے، طریقت اس کی ٹہنیاں ہیں، معرفت اُس کے پتے ہیں، حقیقت اُس کا پھل ہے اور قرآن ان سب کا جامع ہے۔''

شریعت کامل کی اس تعریف کو مدِ نظر رکھ کر اگر دیکھا جائے تو مندرجہ بالا اعمال کا مجموعہ شریعت کے درخت کا محض تنا ہے، اُسے درخت ہرگز نہیں کہہ سکتے ،اس لیےان اعمال کی تکمیل کے باوجود بھی انسان اسلام میں پورا پورا داخل نہیں ہوتا۔

اس حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سمجھنے کے لئے ہمیں تھوڑا سا گہرائی میں جانا ہوگا، وہ یوں کہ انسان کے لیےعلم حاصل کرنا بے حد ضروری ہے، جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ:-

۱۔'انسان اورحیوان کے درمیان فرق کرنے والی چیز علم ہے۔"

۲۔ 'علم حاصل کرو اگرچہ اس کی خاطر تمہیں چین تک ہی کیوں نہ جانا پڑے۔"

۳۔'علم حاصل کرنا ہرمُسلمان مردوعورت پرفرض ہے۔"

لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:-"مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِلدُّنْیا فَھُوَ کَافِرٌ وَمَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِلْحُجَّۃِ فَھُوَ مُنَافِقٌ وَمَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِلْمَوْلٰی فَھُوَ مُسْلِمٌ۔"

ترجمہ:-"جس نے حصول دنیا کی خاطر علم حاصل کیا وہ کافر ہے، جس نے حجت بازی کی خاطر علم حاصل کیا وہ منافق ہے اور جس نے رضائے الٰہی کی خاطر علم حاصل کیا وہ مسلمان ہے۔"

علم دو قسم کا ہے، ایک علم معاملہ ہے اور دوسرا علم مکاشفہ ہے۔ علم معاملہ کا تعلق اعمال ظاہر سے ہے اور اس کے حصول کا ذریعہ مرشد کامل کی نظر اور توجہ ہے۔ علم معاملہ

تعلیم ہے اور علم مکاشفہ تلقین ہے۔ علم معاملہ خبر ہے اور علم مکاشفہ روشن ضمیری ہے۔ علم معاملہ کی نشر واشاعت اور درس تدریس علمائے ظاہر کے حوالے ہے اور علم مکاشفہ کی تلقین علمائے باطن یعنی مرشدان کامل کے حوالے ہے۔ علم معاملہ کا دارومدار قیل وقال اور دلیل پر ہے جب کہ علم مکاشفہ کا دار مدار مشاہدے پر ہے۔ علم معاملہ کی کسوٹی عقل ہے اور عقل تنقید کرتی ہے جس سے گروہ بندی جنم لیتی ہے اور علم مکاشفہ کی کسوٹی نور بصیرت ہے لہٰذا یہ علم شکوک وشبہات اور جرح وتنقید سے پاک ہے اس لیے فرقہ بندی ختم کرتا ہے۔

علمِ مکاشفہ تین قسم کا ہے(۱)۔علم طریقت،(۲)۔علمِ معرفت اور(۳)۔علمِ حقیقت ۔علم طریقت سے عالمِ ملکوت کا مشاہدہ کھُلتا ہے اور انسان عالمِ ملکوت میں موجود آیاتِ ربانی اور صفاتِ الٰہی کا مشاہدہ کھُلتا ہے اور انسان وہاں پر موجوآیاتِ ربّانی اور صفاتِ الٰہی کا مشاہدہ کرتا ہے اور مقامِ جبرائیل، جنّت الفردوس، لوحِ محفوظ، سدرۃُ المنتہیٰ اور مقاماتِ قضاوقدر کا مشاہدہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتا ہے۔ علمِ حقیقت سے عالمِ لاھُوت لامکان کا مشاہدہ کھُلتا ہے جہاں انسان بلاحجاب انوارو تجلّیاتِ ذات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ علم حقیقت سے انسان کا نفس مطمئنہ بن جاتا ہے اور لاھوت لامکان میں پہنچ کر روحِ قدسی کی صورت میں سیر فی اللہ کرتا ہے کیونکہ اس مقام پر انسان کی بشریّت فنا ہو جاتی ہے اور وہ مقام عبودیّت سے نکل کر مقام ربوبیّت میں آجاتا ہے جہاں اُس کا چلنا پھرنا، دیکھنا سننا، بولنا چالنا اور لینا دینا وغیرہ سب کچھ اللہ کا ہوتا ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں فرمانِ الٰہی ہے کہ:-"یَتَقَرَّبُ الْعَبْدُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ

حَتّٰی اُحِبُّہٗ۔ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَ بَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَ یَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا وَ لِسَانَہُ الَّذِیْ یَنْطِقُ بِہٖ وَ رِجْلَہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِھَا۔"

ترجمہ:-"بندہ جب نوافل کے ذریعے میرے تقرّب کی طرف بڑھتا ہے تو ایک وقت آجاتا ہے کہ میں اُس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اُسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو اُس کے کان میں بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اُس کی آنکھیں میں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اُس کے ہاتھ میں بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور اُس کی زبان میں بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے اور اُس کے پاؤں میں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔"

علم سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے اور یمان کی دو شرئط ہیں ، (۱)۔اقرار باللّسان یعنی زبان سے اقرار کرنا اور (۲)۔تصدیقِ قلب یعنی دل سے تصدیق کرنا ۔یہ دونوں شرائط پوری ہوں تو ایمان کامل ہے ورنہ ناقص ہے ۔مثلاً اگر کوئی شخص دل سے تو اللہ اور اُسکے رسول کو مانتا ہے اور جملہ احکامِ اسلام کو سچ مانتا ہے لیکن بظاہر نہ تو زبان سے اسلام کا اقرار کرتا ہے اور نہ ہی ارکانِ اسلام پر عمل کرتا ہے تو اُسے مسلمان نہ کہیں گے بلکہ کافر ہی کہیں گے کہ اقرار اور اعمالِ ظاہر ایمان کا پہلا فرض ہے اور اگر یہ فرض ہی ساقط ہے تو ایمان کیسا؟ اسی طرح اگر کوئی شخص زبان سے مسلمان ہونے کا اقرار کرتا ہے اور اعمالِ ظاہر بھی پابندی سے کرتا ہے لیکن دل سے انکار کرتا ہے تو اُسے منافق کہیں گے کہ دل سے تصدیق کرنا بھی ایمان کا فرض اور اگر یہ فرض بھی ساقط ہو تو اُسے منافق کہیں گے کہ دل سے تصدیسق کرنا بھی ایمان کا فرض ہے اور اگر یہ فرض بھی

ساقط ہو تو ایمان کیسا؟ دل مشاہدہ کے بغیر تصدیق نہیں کرتا بلکہ اُلٹا اعتراض کرتا ہے ۔سو تکمیلِ ایمان کے لئے بھی مُشاہدہ اشد ضروری ہے جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے کہ:-"وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھِیْمُ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ط قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ط قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ۔"

ترجمہ:"اور جب ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی کہ:-"اے میرے ربّ! مجھے مشاہدہ کرادے کہ تو مُردوں کو زندہ کس طرح کرے گا؟" فرمایا!" کیا تو اس پر یمان نہیں رکھتا؟'عرض کی!" کیوں نہیں! لیکن میں اپنے دل کو مطمئن کرنا چاہتا ہوں "(کہ دل مُشاہدہ کے بغیر تصدیق نہیں کرتا)

مزید فرمانِ الٰہی ہے :-"وَ کَذٰلِکَ نُرِیْٓ اِبْرٰھِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَکُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ط"

ترجمہ:-"اور اسی طرح ہم نے ابتراہیم علیہ السلام کو زمین وآسمان کے ملکوت کا مشاہدہ کرایا تاکہ اُن کا ایمان کامل ہوجائے۔"

مندرجہ بالا آیات کریمہ سے یہ نتیجہ ہرگز اخذ نہ کیا جائے کہ شاید حضرت ابراہیم علیہ السلام تصدیق قلب اور ایمان کامل میں نہیں تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں زمین وآسمان کے ملکوت کا مشاہدہ کرایا تاکہ اُن کا ایمان کامل ہو اور وہ اطمینانِ قلب حاصل ہوتی ہے۔"

الغرض! ایمان کے معاملہ میں علم معاملہ یعنی علم ظاہر اور اعمال ظاہر اقرار ہے اور علم مشاہدہ اور اعمال باطن تصدیق قلب ہے اور اگر اقرار وتصدیق میں سے ایک کو

بھی چھوڑ دیا جائے تو ایمان کامل نہیں ہوگا، جب ایمان ہی کامل نہ ہوا تو فلاح کیسی اور نجات کیسی؟

حیرت کی بات ہے کہ لوگوں نے علم مشاہدہ کو چھوڑ کر تصدیق قلب کی ضرورت ہی کو ختم کر ڈالا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اگر آپ کسی عابد وزاہد سے پوچھ لیں کہ بھئی آپ جو باقاعدگی سے نماز پنجگانہ پڑھتے ہیں تو یا آپ کو نماز کا پھل یعنی لقائے الٰہی نصیب ہوا ہے؟ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ:-"اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔"(نماز مومن کے لیے معراج ہے۔) یا یہ پوچھ لیں جب آپ کہتے ہیں:-"سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ"(الٰہی تیری ذات پاک ہے) تو آپ کے دل میں اللہ تعالیٰ کا تصور کیسا ہوتا ہے؟ یا یہ پوچھ لیں جب آپ کہتے ہیں:-"اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ"(اے اللہ کے نبی آپ پر سلام ہو) تو کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کو دکھائی دیتے ہیں یا اُن کا کوئی تصور آپ کے ذہن میں ہوتا ہے یا جب آپ "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ" یا سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی' کہتے ہیں تو بارگاہ حق تعالیٰ ہے کہ:-"اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ"(جب بھی میرا بندہ مجھے پکارتا ہے تو میں اُسے جواب دیتا ہوں۔) اسی طرح اگر آپ اُس سے پوچھیں کہ کیا آپ کی نماز نے آپ کو جھوٹ بولنے، حرام کھانے، رشوت لینے، سود کھانے اور غیبت وگلہ گوئی کرنے سے روک لیا؟ یا کیا آپ کی نماز نے آپ کو طمع، لالچ، حسد، بغض، کینہ، تکبر، غرور، ہوا وہوس اور حب دنیا جیسی نجاست سے پاک کر دیا ہے تو جواب نفی میں آئے گا حالاں کہ فرمانِ الٰہی ہے کہ:-"اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ط"(بے شک نماز ہر قسم کی بُرائی

اور بے حیائی سے روک لیتی ہے۔) اور اگر آپ پوچھ لیں کہ آپ جو اتنا زہد کرتے ہیں کیا آپ کو آخرت کی یقینی کامیابی نصیب ہو چکی ہے تو آپ کو واضح ومثبت جواب نہ ملے گا حالاں کہ فرمانِ الٰہی ہے کہ:-"اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ط ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ"(پ۔۲۴۔حم السجدہ۔۳۰)

ترجمہ:-"بے شک جب لوگوں نے کہا ہے کہ ہمارا ربّ اللہ ہے اور پھر اس اقرار پر ثابت قدم بھی ہو گئے تو اُن پر فرشتے نازل ہو کر بشارت دیتے ہیں کہ تم آخرت کا غم اور فکر مت کرو بلکہ اُس جنّت کی خوشی مناؤ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔"

اور ایسا کیوں ہے؟ اس لیے کہ ہمارے پاس علم ظاہر اور اعمال ظاہر کا اقرار نامہ تو ہے لیکن علم باطن اور اعمال باطن کے فقدان کی وجہ سے تصدیق قلب نہیں۔ لہٰذا ایمان کے ناقص ہونے کی وجہ سے زہد وعبادت کرتے ہوئے بھی ہم تہی دست رہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں لیکن علم مشاہدہ نہ ہونے کی وجہ سے پہچانتے نہیں اس لیے ہم مرتبہ احسان تک عبادت کرنے سے قاصر رہتے ہیں سیّدنا غوث الاعظم شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:-"مَنْ لَّمْ یَعْرِفْہُ کَیْفَ یَعْبُدُہٗ"(جو شخص اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہی نہیں وہ اُس کی عبادت کس طرح کر سکتا ہے؟) مرتبہ احسان کیا ہے؟ اس کے متعلق سوال کا جواب دیتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ:

اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ

(متفق علیہ)1۔"

ترجمہ:-"احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اُسے دیکھ کر کیا کرو، وہ اس طرح کہ اگر تم اپنی ہستی کو مٹا دو (اپنی خودی کا پردہ ہٹا دو) تو اُسے دیکھو گے اور وہ تمہیں دیکھے گا۔"

ہم اللہ تعالیٰ کو رازق سمجھتے ہیں لیکن اُس کی رزاقیت پر اعتماد نہ کرتے ہوئے اپنے زور بازو پر بھروسہ کرتے ہیں کیونکہ ہم علم مشاہدہ سے محروم ہیں حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:-"وَ كَاَيِّنۡ مِنۡ دَآبَّةٍ لَّا تَحۡمِلُ رِزۡقُهَا ۖ اللّٰهُ يَرۡزُقُهَا وَاِيَّاكُمۡ۔" (پ۔ ۲۱۔العنکبوت۔۲۰)

ترجمہ:-"اور کتنے جانور ہیں جو اپنی روزی اٹھائے ہوئے نہیں پھرتے کہ انہیں روزی اللہ دیتا ہے اور تمہیں بھی روزی اللہ دیتا ہے۔"

ہم اللہ تعالیٰ کو اپنی شہ رگ سے قریب تر سمجھتے ہیں لیکن علم مشاہدہ کے فقدان کی وجہ سے برائی اور بے حیائی سے باز نہیں آتے۔

علم معاملہ اور علم مشاہدہ میں اعمال دین کی نوعیت کے بارے میں سیدنا غوث الاعظم شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-"صاحب علم معاملہ کے نزدیک طہارت یہ ہے کہ انسانی جسم کو ہر قسم کی میل کچیل اور نجاست سے پاک صاف رکھا جائے، اس کے لیے پانی سے غسل و وضو اور مٹی سے تیمّم کو لازم قرار دیا گیا ہے لیکن صاحب علم مشاہدہ کے نزدیک جسم کی ظاہری طہارت کے ساتھ ساتھ باطنی طہارت بھی لازمی ہے اور باطن کی طہارت توبہ، تلقین مرشد کامل، تصفیہ قلب اور راہِ طریقت و معرفت و حقیقت اختیار کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ باطن کی طہارت تکبر و غرور،

حسد و کینہ، غیبت و بہتان اور لالچ و جھوٹ وغیرہ سے خصائل رذیلہ سے، برئی کے ارتکاب سے اور آنکھ کان اور ہاتھ پاؤں کی خیانت وغیرہ سے باطل ہو جاتی ہے جس کی تجدید کا طریقہ یہ ہے کہ مندرجہ بالا لغزشوں او گناہوں سے پُرخلوص توبہ کر کے استغفار کیا جائے اور شرمسار و تادم ہو کر اللہ کی طرف رجوع کیا جائے اور وجود کو اعمال فاسدہ اور اعتقادات باطلہ سے پاک کیا جائے۔ عارف باللہ کے لیے لازم ہے کہ ان آفات سے اپنی توبہ کی حفاظت کرے۔

علاوہ ازیں ایک طہارت معرفت بھی ہے جس کی دو اقسام ہیں، (۱)۔ وہ طہارت کہ جس سے معرفت صفات الٰہیہ حاصل ہوتی ہے۔ (۲)۔ وہ طہارت کہ جس سے معرفت ذات الٰہیہ حاصل ہوتی ہے۔

طہارت معرفت صفات الٰہیہ مرشد کامل کی تلقین اور اسمائے توحید کے ذکر کے ذریعے آئینہ قلب کو نقوش بشریت و حیوانیت سے پاک کرنے سے حاصل ہوتی ہے کہ جب آئینہ دل بشری نقش و نگار کے اثرات اور اخلاق ذمیمہ کی نجاست سے پاک ہو جاتا ہے تو چشم دل کو اللہ تعالیٰ کے صفاتی نور سے وہ بصیرت حاصل ہوتی ہے کہ جس کے ذریعے طالب اپنے دل کے آئینے میں جمال الٰہی کا عکس دیکھتا ہے۔ اسمائے توحید کے دائمی ذکر سے جب آئینہ دل بالکل صاف و شفاف ہو جاتا ہے تو اُس میں معرفت الٰہیہ کا مشاہدہ کھل جاتا ہے۔

اور وہ جو طہارت معرفت ذات ہے، وہ اسمائے اصول کے آخری تین اسمائے توحید "للہ، لہٗ، اور ھو کے دائمی ذکر و تصور سے حاصل ہوتی ہے کہ ان اسمائے

توحید ے دائمی ذکر سے سرّ کی آنکھ تو نورتوحید سے بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ایسے میں جب انوارذاتِ الٰہی جلوہ گر ہوتے ہیں تو بشریت پگھل کر فنا ہو جاتی ہے اور بشریت کا فنا ہونا ہی اصل فلاح ہے۔انوارذات کی تجلّی باقی جملہ انوار کو مٹا دیتی ہے کیونکہ ''کُلُّ شَیۡءٍ ہَالِکٌ اِلاَّ وَجۡھَہٗ''' (اُس کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔)

پس روح قدسی (حقیقتِ انسانیہ) جو اُسی ذات سے ہے اُسی کے ساتھ اُسی میں اور اُسی کے لیے باقی رہ جاتی ہے اور نورِ الٰہی سے بلا کیف وتشبیہ اُسی کی ذات کا مشاہدہ کرتی ہے، اُس وقت محض نورِ مطلق باقی ہوتا ہے، اس سے آگے کا معاملہ ایسا ہے کہ اُس کے متعلق کچھ کہہ نہیں سکتے کہ وہ عالم فنا ہے، وہاں نہ عقل باقی رہتی ہے کہ اُس کی بابت آگاہ کر سکے اور نہ اللہ کے سوا وہاں کوئی محرم اسرار ہے۔جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ:-'' لِیۡ مَعَ اللّٰہِ وَقۡتٌ لَایَسَعُ فِیۡہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَّ لَا نَبِیٌّ مُّرۡسَلٌ''

ترجمہ:-''قُربِ الٰہی میں مجھے ایک ایسا وقت بھی میسّر ہے کہ جب وہاں نہ تو کوئی مقرب فرشتہ پہنچ سکتا ہے اور نہ ہی کوئی نبی مُرسل۔''

پس یہ عالم تجرید ہے یعنی تنہائی کا عالم ہے جس میں کسی غیر اللہ کی گنجائش ہی نہیں۔تجرید سے مراد صفات بشریہ کا مکمل طور پر فنا ہونا اور عالم الٰہی میں صفات الٰہیہ سے متصف ہو کر مقام بقا کا حاصل کرنا ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ:-''تَخَلَّقُوۡا بِاَخۡلَاقِ اللّٰہِ تَعَالٰی۔''(اپنے اندر اخلاق الٰہیہ پیدا کرو۔)

الغرض! پورے جسم کو لباس سمیت نجاست وگندگی کی پلیدی سے بچا کر رکھنا

طہارت ظاہر ہے اور دل کو ماسویٰ اللہ سے پاک رکھ کر یادِ الٰہی سے آباد رکھنا، جسمانی اعضاؤ جوارح کو غیبت، جھوٹ، مکر، فریب، حرام خوری، بددیانتی اور نامحرم پر نگاہ بد ڈالنے سے باز رکھ کر ہر حال میں احکام الٰہی کا پابند رکھنا اور دل کو اخلاق ذمیمہ مثلاً ہوس، حسد، لالچ، طمع، تکبر، ریا، عداوت ورعونت وغیرہ سے پاک رکھ کر اخلاق حمیدہ ومثلاً تواضع، صبر، شکر، خوف خدا، توبہ، محبت، اور رجائیت وغیرہ سے آراستہ کرنا طہارت باطن ہے۔

طہارت ظاہر کا تعلق علم ظاہر سے ہے اور طہارت باطن کا تعلق علم مشاہدہ سے ہے۔جب تک طہارت ظاہر کے ساتھ طہارت باطن شامل نہ ہو طہارت نامکمل ہے، جب طہارت نامکمل ہے تو ایمان بھی نامکمل ہے کہ فرمایا گیا ہے کہ:-'' اَلطُّھُوۡرُ نِصۡفُ الۡاِیۡمَانِ' یعنی طہارت نصف ایمان ہے'' اور جب ایمان ہی کامل نہیں تو فلاح اور کامیابی کیسی؟

طہارت کی طرح ارکان دین یعنی نماز وروزہ وحج وزکوٰۃ کی ادائیگی میں بھی علم معاملہ اور علم مشاہدہ کا اتحاد ہی ان اعمال کی صحت کا ضامن ہے جیسا کہ سیّدنا غوث صمدانی، غوث محی الدّین شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:-''وہ جو نماز شریعت (ظاہری نماز) ہے، اُس کا پتہ اس فرمان الٰہی سے چلتا ہے کہ:-''حَافِظُوۡا عَلَی الصَّلٰوات وَ الصَّلٰوۃِ الۡوُسۡطٰی'۔یعنی ''حفاظت کرو سب نمازوں کی، خاص کر وسطی نماز کی۔''

نماز شریعت سے مراد اعضائے ظاہری اور حرکات جسمانی کے ساتھ نماز کے

ارکان یعنی تکبیرِ تحریمہ، قیام، قرآت، رکوع، سجود، آواز اور الفاظ وغیرہ کی ادائیگی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں ''صلوات'' کا لفظ ارشاد فرمایا ہے جو "صلوٰۃ' کی جمع ہے اور وہ جو نمازِ طریقت (باطنی نماز) ہے وہ دل کی نماز ہے جسے دل ہر وقت ادا کرتا رہتا ہے، اُسے اللہ تعالیٰ نے "وسطیٰ نماز' کا نام دیا ہے اور اُسے نمازِ قلب سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ دل جسم کے وسط میں بیدا کیا گیا ہے یعنی دائیں اور بائیں پہلو کے درمیان، جسم کے بالائی اور نچلے حصّہ کے مابین اور سعادت شقاوت کے درمیان، جیسا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ:-"اِنَّ قُلُوْب بَنِیْ اٰدَمَ بَیْنَ اَصْبَعِیْنَ مِنْ اَصَابِعَ الرَّحْمٰنِ یُقَلِّبُھَا کَیْفَ یَشَآئُ۔"

ترجمہ:-''بے شک اولاد آدم کے دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں دے دو انگلیوں کے درمیان ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے دلوں کو پھرتا رہتا ہے" یہاں دو نگلیوں سے مراد اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کی دو صفات ہیں۔ مذکورہ بالا آیت کریمہ اور حدیث مبارکہ میں یہی بات واضح کی گئی ہے کہ حقیقی نماز دل کی نماز ہے۔ انسان جب دل کی نماز سے غافل ہوجاتا ہے تو اُس کی نماز فاسد ہوجاتی ہے اور جب دل کی نماز فسد ہوجائے تو ظاہری نماز بھی فاسد ہوجاتی ہے، جیسا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ:-"لَاصَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ۔'یعنی "حضوریٔ قلب کے بغیر نماز نہیں ہوتی ۔' کیونکہ نمازی اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اپنی عاجزی کا اظہار کر کے دعا و التجا کرتا ہے اور مناجات کا مقام دل ہے، جب دل غافل ہو تو اُس کی باطنی نماز باطل ہوجاتی ہے اور اُس کے ساتھ ظاہری نماز بھی باطل ہوجاتی کیونکہ دل اصل ہے اور

باقی اعضاء اُس کے تابع ہیں۔ چنانچہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ :اِنَّ فِی جَسَدِ ابْنَ اٰدَمَ لَمُضْغَۃً فِاِذَ صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَ فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ (بخاری)" 4

ترجمہ 'بے شک اولادِ آدم کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، اگر وہ درست ہو تو جسم درست رہتا ہے اور اگر وہ خراب ہوجائے تو سارا جسم خراب ہوجاتا ہے۔ خبردار! وہ ٹکڑا دل ہے۔"

شریعت کی ظاہری نماز کے لیے دن رات میں پانچ اوقات مقرّر ہیں اور سنّت طریقہ یہ ہے کہ یہ نماز طلاریا وتصنّع مسجد میں قبلہ رُخ ہو کر امام کی اِقتداء میں ادا کی جائے، جب کہ نمازِ طریقت دائمی نماز ہے، اُس کے لیے تمام عمر درکار ہے، اُس کی مسجد دل ہے، اُس کی جماعت تمام قرائے باطنی کال کر باطنی زبان سے اسم اللہ ذات کے ذکر میں محو رہنا ہے، اُس کا امام جذبہ عشق ہے اور اُس کا قبلہ جمال ذات الٰہی ہے۔ دل اور رُوح دائمی طور پر اس نماز میں مشغول رہتے ہیں۔ دل نہ سوتا ہے اور نہ مرتا ہے بلکہ نیند و بیداری کی دونوں حالتوں میں محوِ نماز رہتا ہے، قلبی نماز دل کے زندہ ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔ اس میں آواز ہے نہ قیام و قعود ہے بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع کرتے ہوئے دل اللہ تعالیٰ کو 'اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔' کے الفاظ سے مخاطب کرتا ہے۔ تفسیر قاضی میں آیا ہے کہ اس آیت کریمہ میں عارف کے حال کی طرف اشارہ ہے کہ اُس کے سامنے سے حجابات اُٹھ جاتے ہیں اور اُسے بارگاہ حق تعالیٰ میں حاضری نصیب ہوجاتی ہے اور وہ ذاتِ حق کا مشاہدہ کرتے ہوئے زبان حال سے

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کرتا ہے "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔' اور اُن مقربین کے زُمرے میں شامل ہوجاتا ہے جن کے بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ :- ''اَلْاَنْبِیَآءُ وَالْاَوْلِیَآءُ یُصَلُّوْنَ فِیْ قُبُوْرِھِمْ کَمَا یُصَلُّوْنَ فِیْ بُیُوْتِھِمْ۔"

ترجمہ:-''انبیاء واولیاءؑ اپنی قبروں میں ایسے نماز پڑھتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے گھروں میں پڑھا کرتے تھے" یعنی وہ حضورِ حق میں اپنے زندہ دلوں کے ساتھ اُس کی مناجات میں مشغول رہتے ہیں۔ جب نماز ظاہر اور نماز باطن دونوں جمع ہوجاتی ہیں تو نماز مکمل ہوجاتی ہے اور اُس کا اجرِ عظیم بارگاہ حق میں رُوحانی قُرب اور جنّت میں درجات جسمانی کی صورت میں ملتا ہے۔ اس قسم کا نمازی ظاہر میں عابد اور باطن میں عارف ہوتا ہے۔ اگر نمازی کو حیات قلب حاصل نہ ہو اور وہ اس وجہ سے نماز ظاہر اور نماز باطن کو یک جا نہ کر سکے تو اُس کی نماز ناقص ہے لیکن اُس کا بھی اجر ہے اور وہ ہے درجات جنّت ، قرب الٰہی نہیں یعنی اُسے درجات ضرور مل جائیں گے لیکن قرب الٰہی سے وہ محروم ہی رہے گا۔ (سرّ الاسرار صفحہ ۱۵۵ تا ۱۶۰)

الغرض! علم ظاہر سے حاصل ہونے والی نماز ظاہر کے ساتھ اگر علم مشاہدہ سے حاصل ہونے والی نماز باطن شامل نہیں ہوتی تو وہ نماز باطل ہی قرار پائے گی جیسا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ:

(۱)'' کتنے ہی لوگ ہیں کہ جنہیں رنج وتکلیف کے رلاوہ نماز سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا کیونکہ وہ صرف جسم سے نماز ادا کرتے ہیں اور دل سے غافل رہتے ہیں

۔"

(۲)''بہت سے لوگ وہ ہیں کہ نماز پڑھتے ہیں لیکن اُن کی نماز کا چھٹا یا دسواں حصّہ ہی لکھا جاتا ہے کیونکہ نماز کا صرف وہی حصہ شمار میں آتا ہے جس میں دل حاضر ہوتا ہے۔"

(۳)''نماز یوں ادا کرو گویا کسی کو الوداع کر رہے ہو یرنی نماز کے ذریعے خود کو اپنے نفس سے الوداع کر رہے ہو بلکہ غیر حق جو کچھ بھی ہے اُس کو الوداع کر رہے ہو۔"

(۴)''جس شخص کی نماز اُسے خرافات ولغویات سے محفوظ نہیں رکھتی اُسے نماز سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ وہ حق تعالیٰ سے اور بھی دور ہوجاتا ہے۔"

''حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:-''جس نماز میں دل حاضر نہ ہو وہ نماز عذاب سے قریب تر ہے۔"

اگر چہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے بہت سے علماء ئے فتویٰ دیا ہے کہ اس طرح بھی نماز ہوجاتی ہے، بشرطیکہ دل تکبیر اوّل کے وقت حاضر رہا ہو لیکن یہ فتوی ضرورت کی وجہ سے صادر کیا گیا ہے کیونکہ غفلت لوگوں پر بُری طرح مُسلط ہے اس لیے اُن کی یہ نماز بھی غنیمت ہے اور یہاں جو نماز کے ہوجانے کا کہا گیا ہے تو اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ وہ شریعت کی تلوار سے بچ گیا ورنہ آخرت کا توشہ تو نماز کا صرف وہ حصہ ہی ہے جس میں دل حاضر رہا ہو۔

اسلام کے تیسرے رُکن ''روزے' کا بھی اک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے اور

جب تک روزے کا ظاہر باطن ایک نہ ہوگا روزہ نہ ہوگا۔ روزے کے متعلق سیّدنا غوث صمدانی غوث محی الدّین شاہ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں کہ:-''روزے دو قسم کا ہے ایک روزہ شریعت ہے اور دوسرا روزہ طریقت ہے۔ شریعت کا روزہ یہ ہے کہ دن میں کھانے پینے اور جماع کرنے سے پرہیز کیا جائے لیکن طریقت کا روزہ یہ ہے کہ بندہ ظاہر باطن میں دن رات اپنے اعضا کو شریعت میں حرام اور ممنوعہ باتوں اور تمام برائیوں سے باز رکھے، اگر وہ کسی ایک بھی بُرے فعل کا مرتکب ہوگا تو روزہ طریقت باطل ہوجائے گا۔ روزہ شریعت کے لیے صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک ایک وقت مقرّر ہے لیکن روزہ طریقت کا وقت تمام عمر ہے۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ:-'' کتنے روزے دار ہیں جن کو روزے سے سوائے بھوک و پیاس کے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔

چنانچہ کہا گیا ہے کہ:-'' کتنے روزہ دار ہیں جو افطار کرنے والے ہیں اور کتنے ہی ہیں جو افطار کر کے بھی روزے سے رہتے ہیں۔'یعنی کتنے ہی روزے دار ہیں جو کھانے پینے سے پرہیز رکھتے ہیں لیکن برائیوں سے باز نہیں آتے، اُن کے روزوں کا کوئی ثواب نہیں۔ حقیقت میں روزیدار وہی ہیں جو بُرے کاموں سے بچتے ہیں اور کسی کو اذیّت نہیں دیتے۔

حدیث قدسی میں فرمانِ الٰہی ہے کہ:-''روزہ میرے لیے ہے اور میں خود اُس کی جزا ہوں۔''

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ:-''روزے دار کے لیے

دو خوشیاں ہیں، ایک خوشی افطار کے وقت کی اور دوسری خوشی رویئت کی ''اللہ تعالیٰ ہمیں یہ دونوں خوشیاں نصیب کرے۔ اہلِ شریعت فرماتے ہیں کہ افطار سے مراد غروب آفتاب کے وقت کھانا پینا ہے اور رویئت سے مراد عید کا چاند دیکھنا ہے لیکن اہل طریقت فرماتے ہیں کہ افطار سے مراد جنّت میں داخل ہو کر اُس کی نعمتوں سے روزۂ طریقت افطار کرنا ہے، اللہ بھی ہمیں ان نعتوں سے سیراب فرمائے اور رویئت سے مراد دیدار جمالِ الٰہی ہے جو قیامت کے دن سرّ کی آنکھوں سے کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دیدار سے مشرف فرمائے، آمین!

اور روزہ حقیقت سے مراد دل کا ماسویٰ اللہ کو ترک کر دینا ہے اور چشم سرّ کا غیر اللہ کے مشاہدہ سے پاک ہونا ہے۔ حدیث قدسی میں فرمان الٰہی ہے:-''الانسان سرّی وانا سرّہٗ۔'یعنی انسان میرا بھید ہے اور میں انسان کا بھید ہوں۔'پس بھید نور الٰہی سے ہے اُس کا میلان غیر اللہ سے نہیں ہوسکتا کہ اُس کے لیے تو دنیا و آخرت میں ذات الٰہی کے علاوہ کوئی محبوب و مرغوب و مطلوب ہے ہی نہیں، اگر وہ غیر اللہ کی محبت میں مبتلا ہوجائے تو روزہ حقیقت فاسد ہوجاتا ہے۔ روزہ حقیقت کی قضا یہ ہے کہ غیر اللہ کی محبت ترک کر کے دل میں ذات الٰہی کی محبت شوق پیدا کرلیا جائے۔(سرّ الاسرار صفحہ نمبر ۱۷۱ تا ۱۷۵)

روزۂ باطن کے متعلق امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ''یادِ الٰہی کے سوا دل کو تمام اندیشوں سے پاک کر کے خود کو پوری طرح سپردِ الٰہی کر دیا جائے اور یادِ حق کے سوا ظاہر باطن کی ہر چیز سے روزہ رکھا جائے یعنی دل سے مکمل طور پر غیر اللہ کو نکال

دیا جائے۔ ایسا روزے دار ذکر اللہ یا ذکر اللہ سے متعلق کسی چیز کے علاوہ اور کوئی بات زبان پر لاتا ہی نہیں اور اگر لاتا ہے تو اس کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اگر وہ کسی دنیاوی معاملے میں غور و فکر کرے تو اس کا روزہ باقی نہیں رہتا۔ اگر چہ روزۂ عوام مین یہ چیز مباح ہے اور اس سے عوام کا روزہ ٹوٹتا بھی نہیں لیکن اہلِ باطن کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے، البتہ اگر وہ دنیوی معاملہ راہِ دین میں مددگار ہو تو روزہ برقرار رہتا ہے کیونکہ اسے دنیاوی معاملہ کہا ہی نہیں جا سکتا ورنہ ایسا روزے دار اگر دن کے وقت یہ تدبیر کرنے لگے کہ روزہ کس چیز سے افطار کرنا چاہیے تو اس تدبیر کو اس کے گناہوں میں لکھ دیا جاتا ہے کیونکہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس رزق کو پہنچانے کا اس سے وعدہ کر رکھا ہے اسے اس پر اعتماد ہی نہیں''

اسلام کے چوتھے رکن زکوۃ کی بھی ظاہر باطن میں الگ الگ صورتیں ہیں، اس کے متعلق سیدنا غوث صمدانی غوث محی الدین شاہ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں: ''زکوۃ دو طرح کی ہے۔ ۱۔ زکوۃ شریعت، ۲۔ زکوۃ طریقت۔ زکوۃ شریعت یہ ہے کہ جب انسان کی دنیوی کمائی حدِ نصاب کو پہنچ جائے تو اس میں سے ہر سال وقتِ معینہ پر از روئے شرحِ نصاب جمع ہونے والے مال و زر کو احکامِ شریعت کے مطابق حقداروں میں تقسیم کر دے اور زکوۃِ طریقت یہ ہے کہ آخرت کی کمائی سے فقرائے دین اور ان مساکین میں تقسیم کرے جن کے پاس آخرت کے لیے زادِ عمل نہیں۔ قرآن مجید میں اس زکوۃ کو صدقہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمانِ حق تعالیٰ ہے کہ ''اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآئِ'' یعنی بیشک صدقات تو فقراء کے لیے ہیں۔

کیونکہ وہ فقیر کے ہاتھ میں پہنچنے سے پہلے اللہ کے ہاتھ میں پہنچ جاتے ہیں اور اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کو قبولیت کا شرف حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ زکوۃ دائمی ہے اور اس سے مراد ''ایصالِ ثواب کرنا'' ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر گناہگاروں کو آخرت کی کمائی کا ثواب بخش دیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہ بخش دیتا ہے اور ایصال ثواب کرنے والے کی اپنی نیکیوں میں سے اس کی اپنی ذات کے لیے کچھ نہیں بچتا، چنانچہ وہ خود بالکل مفلس ہو جاتا ہے، ایسے مفلس کے لیے حضور ﷺ نے فرمایا: ''اَلْمُفْلِسُ فِیْ اَمَانِ اللّٰہِ تَعَالٰی فِیْ الدَّارَیْنِ'' یعنی مفلس دونوں جہان میں امان الٰہی میں ہوتا ہے۔''

چنانچہ حضرت رابعہ بصری فرماتی ہیں کہ: الٰہی دنیا میں میرا جو حصہ ہے وہ تو کافروں کو بخش دے اور عقبیٰ میں جو میرا حصہ ہے وہ تو مومنوں کو عطا فرما دے، میں دنیا میں تیرے ذکر کے سوا کچھ نہیں چاہتی اور عقبیٰ میں تیرے دیدار کی طالب ہوں'' پس جس بندے کی جان و مال اپنے مولیٰ کے لیے وقف ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو ایک نیکی کے بدلے دس نیکیوں کا ثواب عطا فرمائے گا جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

''مَنْ جَآئَ بِالْحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشْرُ اَمْثَالِھَا''

ترجمہ: ''جو ایک نیکی لائے گا اس کے لیے اس جیسی دس نیکیاں ہیں''

زکوۃِ طریقت کے معنی یہ بھی ہیں کہ قلب کو نفسانی صفات سے پاک کیا جائے جیسا کہ فرمانِ حق تعالیٰ ہے کہ: "مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضَاعِفَہٗ لَہٗ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً"

ترجمہ:'' ہے کوئی جو اللہ کو قرضِ حسنیٰ دے تاکہ اللہ اس کے لیے بہت زیادہ بڑھادے۔''

نیز فرمایا:''قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا' ترجمہ ''بے شک وہ مراد کو پہنچ گیا جن نے اپنے نفس کو بُرائیوں سے پاک کردیا۔'' یہاں قرض سے مراد راہِ حق میں رضائے حق کی خاطر احسان جتلائے بغیر اعمالِ صالحہ کی دولت سے مخلوق خدا میں خیرات کرنا ہے، چنانچہ فرمانِ حق تعالیٰ ہے کہ:-''لَاتُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى۔''

ترجمہ:-''اپنے صدقات کو احسان جتلاکر اور ایذا دے کر باطل نہ کرلیا کرو۔''

یعنی اپنے صدقات کے بدلے دینا طلب نہ کرو ورنہ تمہارے صدقات ضائع ہوجائیں گے۔ پس اس سقسم کا انفاق ہی درحقیقت راہِ حق کا خرچ ہے اور اسی کے لیے فرمانِ حق تعالیٰ ہے۔:-''لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔' ترجمہ:-''تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچوگے جب تک کہ راہِ حق میں اپنی محبوب و مرغوب چیز کو خرچ نہیں کروگے۔''
(سرّ الاسرار صفحہ نمبر ۱۶۷ تا ۱۷۱)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:-''واضح ہو کہ نماز کی طرح زکوٰۃ کی بھی ایکصورت ہے اور ایک روح ہے، جو شخص زکوٰۃ کی روح اور حقیقت سے بے خبر ہے اُسکی زکوٰۃ بھی ایک بے روح صورت ہوگی۔ زکوٰۃ کے تین اسرار ہیں۔

اوّل یہ کہ خلق کو اللہ تعالیٰ کی محبت پر مامور کیا گیا ہے اور کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جو اس بات کا مدّعی نہ ہو کہ اُسے اللہ تعالیٰ سے محبت ہے لیکن اس کا اصل مطلب یہ

ہے کہ مومن کو اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی شے عزیز نہ ہونی چاہیے۔ جیسا کہ فرمانِ حق تعالیٰ ہے کہ:" قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ؕ (پ۔۱۰۔التوبہ۔۲۴)

ترجمہ:-''اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ فرمادیں کہ اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، بیویاں، تمہارے قبیلہ، تمہارا کمایا ہوا مال واسباب، اور تجارت جس میں نقصان کا تمہیں اندیشہ ہوا اور تمہارے پسندیدہ مکانات تم کو اللہ سے، اُس کے رسول سے اور اُس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہیں تو تم انتظار کروہ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا (سزاعذاب کا) حکم بھیج دے ماور اللہ تعالیٰ نافرمان فاسقوں کا ہدایت نہیں دیتا۔''

اور کوئی مومن ایسا نہیں ہے جو دعویٰ نہ کرتا ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز سے زیادہ عزیز رکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ واقعی وہ اس پر عمل پیرا بھی ہے، لہٰذا اُن کے اس دعویٰ پر مغرور و نازاں نہ ہو بیٹھے اور مال و دولت چونکہ آدمی کے محبوبوں میں سے ایک محبوب ہے لہٰذا آدمی کو اس کے ذریعے آزمایا گیا ہے کہ: اگر تو اپنے دعویٰ محبت میں سچا ہے تو اللہ کی دوستی میں اس ایک محبوب ہی کو قربان کرکے تو دکھا۔'' پس جو لوگ اس راز سے آگاہ ہوگئے وہ تین گروہوں میں تقسیم ہوگئے، ایک گروہ صدیقوں کا ہے کہ جو کچھ پاس تھا اللہ کی راہ میں قربان کردیا اور کہا کہ نصاب کے مطابق دوسو درہم میں سے

صرف پانچ درہم دینا تو بخیلوں کا کام ہے، ہم پر یہی واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دوستی پر وہ سب کچھ نثار کر دیں جو ہمارے پاس ہے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق نے کیا کہ سارا مال و اسباب اُٹھا لائے اور جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا کہ اپنے بیوی بچوں کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو؟ تو عرض کی کہ خدا اور اُس کا رسول، اور ایک گروہ تھا کہ جنہوں نے آدھا مال دیا جیسا کہ حضرت عمرؓ آدھا مال لائے اور جب اُن سے پوچھا گیا کہ بیوی بچوں کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو؟ تو کہا کہ اتنا ہی جتنا کہ یہاں لایا ہوں، اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:-" تم دونوں کے درجوں میں بھی وہی فرق ہے جو تمہارے کلمات میں ہے۔" اس دوسرے گروہ میں وہ لوگ آتے ہیں جو بیک وقت سب کچھ خرچ نہیں کرتے اور نہ ہی اس کی طاقت اُن میں ہوتی ہے لیکن وہ ہمیشہ خیال رکھتے ہیں اور فقیروں کی حاجت روائی کے منتظر رہتے ہیں اور کسی نہ کسی وجہ سے خیرات کرتے رہتے ہیں اور اپنے آپ کو درویشوں کے برابر تصور کرتے ہیں اور صرف زکوٰۃ دینے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ جو درویش بھی اُن کے ہاں چلا جائے اُسے اپنے بال بچوں کے برابر سمجھتے ہیں اور ایک گروہ اُن لوگوں کا ہے جن میں اس سے زیادہ استطاعت ہی نہیں ہوتی کہ نصاب کے مطابق اپنے مال میں سے مقرّر شدہ زکوٰۃ دے دیں۔ وہ صرف زکوٰۃ کے فریضہ کی ادائیگی پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور زکوٰۃ کے حکم کو خوشی خوشی بلا تاخیر بجالاتے ہیں اور درویشوں پر کسی طرح کا احسان نہیں کرتے۔ اگرچہ زکوٰۃ دینے والوں کا یہ آخری اور کم ترین درجہ ہے۔ اور وہ شخص کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے صاحبِ نصاب بنایا ہے لیکن اُس کا دل دو سو درہم میں سے صرف پانچ درہم بھی راہِ خدا

میں دینے کی اجازت نہیں دیتا، اللہ تعالیٰ کی دوستی و محبت میں اُس کا کوئی حصہ نہیں ہے ۔ وہ محبت الٰہی سے بالکل محروم ہے۔

ویسے جو شخص نصاب کے مطابق زکوٰۃ دینے سے زیادہ اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کر سکتا تو دوستی اُس کی بھی بہت ضعیف ہے اور اللہ تعالیٰ کے دوستوں میں سے وہ سب سے بخیل دوست ہے۔

اسرارِ زکوٰۃ میں سے دوسرا بھید دل کو بُخل کی نجاست سے پاک کرنا ہے۔ کیونکہ دل میں بُخل کا ہونا ایک نجاست ہے جو اُسے قربِ حق کے لائق نہیں رہنے دیتی۔ دل اُس وقت تک بخل کی نجاست کو ایسے ہی دور کر دیتی ہے جیسا کہ پانی ظاہری نجاست کو دھوڈالتا ہے، یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ اور صدقہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے اہلِ بیت پر حرام ہے کیونکہ اُن کے مراتب کو لوگوں کے مال کی میل کچیل سے محفوظ رکھنا لازمی ہے۔

زکوٰۃ کا تیسرا بھید یہ ہے کہ اس سے شکرِ نعمت بجالانا سیکھا جائے۔ چونکہ مال بھی ایک نعمت ہے جو مسلمان کے حق میں دنیا و آخرت کی راحت کا باعث ہے اس لیے جس طرح نماز روزہ و حج کی ادائیگی گویا نعمتِ جسم کا شکر ادا کرنا ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ وہ شکر ہے جو نعمتِ مال پر ادا کیا جاتا ہے تا کہ جب کوئی مومن اس نعمت کی وجہ سے اپنے آپ کو بے نیاز پائے اور اپنے جیسے کسی دوسرے مومن کو خستہ حالت میں دیکھے تو چاہیے کہ اپنے آپ سے یہ کہے کہ:" وہ بھی میری ہی طرح اللہ کا بندہ ہے، پس شکر ہے اُس پاک ذات کا جس نے مجھے بے نیاز کر دیا اور اُس کو میا کحتاج بنا دیا۔ کیوں نہ میں اُس

نیک سلوک کروں کہ ممکن ہے یہ میری آزمائش ہی ہو اور اگر میں اُس میں پورا نہ اتروں تو ہو سکتا ہے کہ مجھے اُس جیسا بنا دیا جائے اور اُسے میری طرح بنا دیا جائے۔"

"پس ہر کسی پر لازم ہے کہ زکوٰۃ کے ان اسرار کو پہچانے تا کہ اُس کی عبادت زکوٰۃ صورت بے معنی بن کے نہ رہ جائے۔"

اسلام کے پانچویں رکن حج کی بھی ایک ظاہری صورت ہے اور ایک باطنی صورت ہے۔ اِس کے بارے میں غوثِ صمدانی غوث محی الدین شاہ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں کہ: "ایک حجِ شریعت ہے اور دوسرا حجِ طریقت ہے۔ حجِ شریعت یہ ہے کہ شرائط و ارکان کے ساتھ حج کیا جائے حتیٰ کہ حج کا ثواب حاصل ہو جائے۔ اگر شرائطِ حج کی ادائیگی میں کوئی نقص واقع ہو جائے تو ثوابِ حج بھی ناقص ہو جاتا ہے اور حج فاسد ہو جاتا ہے کیونکہ فرمانِ حق تعالیٰ ہے کہ: "وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ"

ترجمہ: "اور حج اور عمرہ کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے پُورا کرو۔"

حجِ شریعت کی شرائط یہ ہیں: (۱) اِحرام باندھنا (۲) مکہ شریف میں داخلہ (۳) طوافِ قدوم، (۴) وقوفِ عرفہ۔ (۵) مزدلفہ میں شب بسری (۶) منیٰ میں قربانی، (۷) بیت الحرام میں داخلہ۔ (۸) طوافِ کعبہ یعنی خانہ کعبہ کے گرد سات چکر لگانا، (۹) آبِ زم زم پینا اور (۱۰) مقامِ ابراہیم (علیہ السلام) پر دو رکعات واجب الطواف پڑھنا۔ اِن شرائط کی ادائیگی کے بعد وہ سب باتیں حلال ہو جاتی ہیں جو حرام کی حالت میں ممنوع ہیں۔ اِس حج کی جزا دوزخ سے رہائی اور قہرِ الٰہی سے اَمان ہے

جیسا کہ فرمانِ حق تعالیٰ ہے: "فَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا۔"

ترجمہ: "جو اِس (اللہ کے گھر) میں داخل ہو گیا وہ امن پا گیا۔' اور آخر میں طوافِ صدر یعنی بیت اللہ سے رخصت ہونے کے وقت کا طواف ہے اور اس کے بعد وطن واپسی سے اللہ تعالیٰ ہمیں یہ حج نصیب کرے۔ آمین!

حجِ طریقت میں سامانِ سفر اور سواری یہ ہے کہ سب سے پہلے کسی صاحبِ تلقین مرشد کامل کے ہاتھ پر بیعت کر کے اُس سے تلقین (روشن ضمیری) حاصل کرے اور پھر زبان کے ساتھ دائمی ذکر اللہ کرے اور ذکر اللہ کی حقیقت اور مقصد کو مدّنظر رکھے یعنی تفکر کے ساتھ ذکر اللہ کرے۔ ذکر اللہ سے مراد کلمہ توحید "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کا زبانی ذکر ہے۔ ذکر اللہ سے دل زندہ ہوتا ہے اور جب دل زندہ ہو جائے تو باطنی ذکر اللہ میں مشغول ہو جائے حتیٰ کہ پہلے صفاتی اسماء کے دائمی ذکر سے اپنے باطن کا تصفیہ کرے تا کہ کعبۂ سرّ جمالِ الٰہی صفاتی انوار کے ساتھ ظاہر ہو جائے جیسا کہ ابراہیم و اسمٰعیل علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا: - "میرے گھر کو خُوب سُتھرا رکھو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے۔"

ظاہری کعبہ کا صاف ستھرا رکھنا مخلوق میں سے اُن لوگوں کے لیے ہے جو طواف کرنے والے ہیں لیکن باطنی کعبہ کی صفائی معائنہ خالق کے لیے ہے۔ اُس ذات پاک کا جلوہ دیکھنے کے لیے صفائی و پاکیزگی کا بہترین اور موزوں ترین طریقہ یہ ہے کہ باطنی کعبہ کو ماسوی اللہ سے پاک و صاف کیا جائے، پھر رُوحِ قدسی کے نُور سے احرام باندھا جائے، پھر کعبہ قلب میں داخل ہوا جائے، پھر طوافِ قدوم یعنی اسم اللہ ذات کا

دائمی ذکر کیا جائے، پھر عرفاتِ قلب کی طرف روانگی اور اُس میں وقوف اِسم ھُو اور اسمِ حق کے دائمی ذکر کی صورت میں کیا جائے، پھر اسم حیُّ اور اسم قیوم کے جمیع ذکر کی صورت میں باطنی مزدلفہ یعنی فواد میں آئے۔ پھر باطنی منیٰ یعنی مقام سرّ کی طرف متوجہ ہو کر اس میں قیام کرے اور اسم قہار کے دائمی ذکر سے نفسِ مطمئنہ کی قربانی کرے۔ اسم قہار باعثِ فنا ہے اور حجاباتِ کفر کو ختم کرنے والا ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:- **اَلْکُفْرُ وَ الْاِیْمَانُ مَقَامَانِ مِن وَّرَآئِ الْعَرْشِ وَ ھُمَا حِجَابَانِ بَیْنَ الْعَبْدِ وَ رَبِّہٖ اَحَدُھُمَا اَسْوَدُ وَ الْاٰخَرُ اَبْیَضُ۔"**

ترجمہ:"کفر اور ایمان عرش سے پرے دو مقامات ہیں جو بندے اور رب کے درمیان دو حجابات ہیں، اُن میں سے ایک سیاہ ہے اور دوسرا سفید ہے۔"

نفس مطمئنہ کی قربانی کے بعد حلق یعنی سر مُنڈانے کا عمل ہے اور حجِ طریقت میں اِس سے مُراد روحِ قدسی کو آٹھویں اسم اصول کے دائمی ذکر کے ذریعہ صفات بشری سے پاک صاف کرنا ہے، اس کے بعد نویں اسم اصول کے دائمی ذکر کے ذریعے حرم سِرّ میں داخلہ ہے، اس کے بعد اُس مقام میں پہنچے جہاں اعتکاف کرنے والوں کو چشمِ بصیرت سے دیکھے اور دسویں اسم اصول کے دائمی ذکر کے ذریعے مقام قرب و انس میں اعتکاف کرے، پھر بلا کیف وتشبیہ اُس بے نیاز اور بلند شان والے پروردگار کا نظارہ کرے، پھر گیارہویں اسم اصول اور چھ اسمائے فروعات کے دائمی ذکر کو لازم کرے تاکہ حجِ طریقت کا وہ طواف مکمل ہو جائے جو بمنزلہ اُس طواف کے ہے جو حجِ شریعت میں خانہ کعبہ کے گرد سات چکر لگانے سے ادا ہوتا ہے۔ پھر مقام قُرب میں

بارہویں اسم اصول کے پیالے سے بدست، قدرت شراباً طہورا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **"وَسَقَاھُمْ رَبُّھُمْ شَرَابًا طَھُوْرًا۔"**

ترجمہ:-"اور اُن کے ربّ نے انہیں پاکیزہ شربت پلایا۔"

اِس پر حاجی طریقت کا حجاب دُوئی اُٹھ جاتا ہے اور وہ ذاتِ الٰہی کو اُسی کے نُور سے بے حجابانہ دیکھتا ہے اور اُس کا کلام حروف و آواز کے واسطہ کے بغیر سنتا ہے اُس کی بُرائیاں اسمائے توحید کی تکرار سے نیکیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں کیونکہ فرمان حق تعالیٰ ہے:- **وَمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنَاتٍ۔"**

ترجمہ:"جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک اعمال کیے تو اللہ تعالیٰ اُس کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا پھر جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے اُس پر حرام کیا ہوا تھا وہ اُس پر حلال ہو جاتی ہیں، پھر وہ نفس کی چال بازیوں سے آزاد ہو کر خوف وغم سے مامون ہو جاتا ہے جیسا کہ فرمان حق تعالیٰ ہے کہ:- **''اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآئَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔"**

ترجمہ:"جان لو کہ اولیاء اللہ پر نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ ہی کوئی غم۔' اللہ تعالیٰ اپنے جود و کرم سے ہمیں بھی یہ مرتبہ عطا فرمائے۔ آمین!

اب وہ طوافِ صدر کرتا ہے یعنی جُملہ اسماء کا ذکر بار بار کرتا ہے اور پھر بارہویں اسم اصول کا دائمی ذکر اپنا کر اپنے اصلی وطن عالم قدس یعنی عالم لاھوت کی

طرف لوٹتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے انسان کواحسنِ تقویم پر بنایا۔

مندرجہ بالا تمام تاویلات ایسی ہیں جو عقل میں بھی سما جاتی ہیں اور انہیں زبان سے بیان بھی کیا جاسکتا ہے لیکن اس سے آگے جاجو معاملہ ہے وہ بیان سے باہر ہے، اُس کے متعلق بتلایانہیں جاسکتا کہ وہ عقل وفہم سے بالا ہے، حوصلے اُس کی گنجائش نہیں رکھتے اور مخازن میں اُن کی سمائی نہیں جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ:-"**اِنَّ مِنَ الْعُلُوْمِ کَھَیْئَۃِ الْمَکْنُوْنِ لَا یَعْلَمُھَا اِلَّا الْعُلَمَاءُ بِاللّٰہِ**۔"

ترجمہ:- ''بے شک علوم میں سے ایک ایسا علم بھی ہے کہ جس کی ہیّت کو پوشیدہ رکھا گیا ہے، اُسے صرف اہل اللہ علماء ہی جانتے ہیں۔"

جب وہ اُس علم کے واسطہ سے کلام کرتے ہیں تو اہلِ عزت اُس کا انکار نہیں کرتے عارف کامل کی تہہ تک پہنچتا ہے اور اُس کا کلام اُس کے حال کے مطابق ہوتا ہے جبکہ عالم صرف سطحی علم رکھتا ہے لہٰذا وہ اپنے علم کے مطابق گفتگو کرتا ہے، عارف کا علم رازِ الٰہی ہے جس کو اس کا غیر نہیں جانتا جیسا کہ فرمانِ حق تعالیٰ ہے:-**وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖ اِلَّا بِمَا شَآءَ**۔

ترجمہ: اور وہ اُس کے علم سے صرف اتنا ہی پاتے ہیں جتنا وہ انہیں عطا کرنا چاہتا ہے۔یعنی وہ انبیاء واولیاء ہی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے نوازا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ بھیدوں کو جانتا ہے اور اُس کو بھی جانتا ہے جو اُس سے بھی پوشیدہ تر ہے۔

(سرالاسرار صفحہ نمبر ۱۷۵ تا ۱۸۵)

حج کے ظاہر و باطن پر بحث کرتے ہوئے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

کہ:-" آدمی کو پیدا ہی اس طرز پر کیا گیا ہے کہ جب تک وہ اپنے تمام اختیارات کو اللہ تعالیٰ کے حوالے نہ کر دے اپنی سعادت کے کمال کو نہیں پہنچ سکتا۔ اپنے نفس کی پیروی میں اپنے اختیارات کو استعمال کرنا اُس کی ہلاکت کا سبب ہے کیونکہ جب تک آدمی اپنے اختیارات پر رہتا ہے اُس کا کوئی عمل بھی شریعت کے مطابق نہیں ہوتا بلکہ موافقت اور مطابقت میں ہوتا ہے اور اُس کا کوئی معاملہ بھی بندے کی طرح نہیں ہوتا حالانکہ اُس کی سعادت بندگی ہی میں ہے۔' یہی وجہ ہے کہ اگلی امتوں کو راہبانیت و سیاحت کا حکم دیا تھا یہاں تک کہ اُن کے امتی لوگوں سے علیحدہ ہو کر دور کہیں پہاڑوں پر نکل جاتے تھے اور ریاضت و مجاہدہ میں مستغرق رہتے تھے لیکن جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لوگوں نے پوچھا کہ ہمارے دین میں راہبانیت و سیاحت کیو ں نہیں ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ'' ہمیں اس کے بدلے جہاد اور حج کا حکم دیا گیا ہے۔''

پس اللہ تعالیٰ نے رہبانیت کے بدلے جو اس اُمت کو حج کا حکم دیا ہے تو اسی لیے کہ اس سے بھی مقصود مجاہدہ ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ شریف کو اپنے ساتھ نسبت کا شرفِ عظیم بخشا اور دنیوی بادشاہوں کے دربار کے مثل بنا کر اُس کے اطراف وجوانب کو قابل احترام قرار دیا اور وہاں پر شکار کرنے اور درخت کاٹنے کو حرام قرار دیا اور اُس کی عظمت وحرمت کے لیے شاہی درباروں کے میدانوں کی طرح میدانِ عرفات کو حرام کے بالکل سامنے بنادیا تا کہ چاردانگِ عالم سے لوگ جوق در جوق خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے آیا کریں حالانکہ وہ اس حقیقت کو خوب جانتے ہیں

کہ اللہ تعالیٰ مکان اور گھر میں رہنے سے پاک ہے لیکن آدمی کی فطرت ہے کہ جب اُس پر دوست کی محبت کا جذبہ غالب آتا ہے تو اُسے دوست سے نسبت رکھنے والی ہر چیز پیاری لگنے لگتی ہے، یہی سبب ہے کہ اللہ سے محبت کرنے والے اُس سے منسوب خانہ کعبہ کو پیار کرنے لگتے ہیں اور اِس شوق و آرزو میں اپنے اہل وعیال اور مال و وطن کو پس پُشت ڈال کر جنگل و بیابان کی کے خطرات کو برداشت کرتے ہوئے عاجزانہ طور پر اُس سے نسبت رکھنے والے خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے نکل کھڑے ہوتے ہیں اور اِس عبادت میں اُن کو ایسے افعال کا حکم دیا گیا ہے جنہیں عقل نہیں سمجھ سکتی، مثال کے طور پر عقل کو کیا خبر کہ کنکریاں پھینکنا یا صفا و مروہ میں دوڑتے پھرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اور یہ اس لیے ہے کہ جو بات عقل میں آسکتی ہے اُس کے ساتھ نفس کو برابر تعلق رہتا ہے، نفس کو معلوم ہوتا ہے کہ عقل کیا کام کر رہی ہے اور کس غرض سے کر رہی ہے لیکن کمالِ بندگی یہ ہے کہ بندہ اپنے مالک کے حکم کا پابند ہو، چاہے وہ حکم اُس کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے، چنانچہ پتھر پھینکنا اور سعی کرنا اُسے بلا چوں و چرا تعمیلِ حکم کی زندہ مثال ہے۔ ان احکام کو بجالانا صرف بندگی کی بنا پر ہوتا ہے ورنہ عقل کے بس میں ہو تو دلیلوں میں اُلجھا کے رکھ دے۔ لہٰذا حج سے اس بات کی تربیت حاصل ہوتی ہے کہ بندہ اپنے مولیٰ کے سامنے اس حالت میں رہے کہ اُس کے وجود میں طلبِ مولیٰ کے سوا کسی اور طلب کا نام ونشان موجود نہ ہو اور احکامِ خداوندی کی بجا آوری میں اُس کی عقل اور طبیعت کو سرِ مُو دخل نہ ہو۔ (کیمیائے سعادت)

اگر ہم انصاف کی نظر سے اپنے خیالات و معاملات کا جائزہ لیں تو صاف نظر

آتا ہے کہ ہمارے پاس اسلام کا محض چھلکا ہے، ہم اسلام کی رُوح اور اُس کے مغز سے بالکل خالی ہیں، ہمارا زہد اور ہماری ریاضتیں صرف ظاہر کو سنوارنے میں صَرف ہو رہی ہیں حالانکہ دونوں جہاں میں سرخروئی اور کامیابی کا دارو مدار باطن کے نکھار پر ہے اور اس سے ہم بے خبر ہیں۔

سلطان العارفین حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: آدمی کے لیے اس سے زیادہ علم حاصل کرنا فرضِ عین نہیں ہے کہ وہ فرض و واجب وسنّت و مستحب کا علم رکھتا ہو لیکن اللہ سے ڈرنا، گناہوں سے بچنا اور حرص و حسد و کبر و طمع سے خود کو پاک کر کے معرفتِ الٰہی تک پہنچنا فرضِ عین ہے، مجھے تعجب ہوتا ہے اُن لوگوں پر جو بظاہر عالم فاضل اور پاکیزگی سے آراستہ ہوتے ہیں اور عوام کو وعظ و نصیحت کرتے رہتے ہیں لیکن باطن میں نفس کے غلام اور معرفت الٰہی سے محروم ہوتے ہیں حالانکہ فرمان الٰہی ہے کہ: "اَتَامُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ"

ترجمہ: "یعنی تم لوگوں کو تو وعظ و نصیحت کرتے ہو لیکن خود اپنی خبر نہیں لیتے۔" (کلید التوحید کلاں)

سیّدنا غوثِ صمدانی، غوث محی الدین شاہ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں کہ: "ہم پر دو قسم کا علم نازل کیا گیا ہے، علمِ ظاہر اور علمِ باطن یعنی علم شریعت اور علمِ معرفت۔"

شریعت کا حکم ہمارے ظاہر کے لیے ہے اور معرفت کا حکم ہمارے باطن کے لیے ہے۔ یہ دونوں علم جمع ہو جائیں تو ان کا نتیجہ علمِ حقیقت ہے۔ محض ظاہری علم سے

حقیقت حاصل نہیں ہوسکتی اور نہ ہی منزل مقصود پر پہنچ سکتے ہیں، کامل عبادت (معرفت الٰہی) کے لیے دونوں علوم ضروری ہیں، ایک علم کافی نہیں۔" (سرالاسرار۔۲۱)

باطن میں بے خبری کی وجہ سے ہم ہر وقت بارگاہِ الٰہی میں ہمہ قسم کی التجائیں کرتے رہتے ہیں اور صبر نام کی کسی چیز سے واقف ہی نہیں ہوتے حالانکہ انسان کو یہاں جو کچھ پیش آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مقدر کی ہوئی تقدیر ہی ہے اور جب انسان اس تقدیر میں تبدیلی کا خواہاں ہوتا ہے تو گویا وہ تقدیرِ الٰہی سے اِختلاف کرتا ہے اور اُسے تبدیل کرنا چاہتا ہے اِس لیے بار بار اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتا ہے۔ تقدیرِ الٰہی میں تبدیلی کی خواہش دراصل اعتراض ہے اللہ تعالیٰ کی رضا پر جو آدمی رضائے الٰہی پر اعتراض کرتا ہے وہ کامل مومن مُسلمان کیونکر ہوسکتا ہے؟ حضور غوث پاک قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں کہ:-

''نزولِ تقدیر کے وقت اللہ جلّ شانہٗ پر اعتراض کرنا موت ہے دین کی، موت ہے توحید کی، موت ہے توکل و اخلاص کی، صاحبِ ایمان قلب لفظ' کیوں اور کس طرح' کو نہیں جانتا، وہ نہیں جانتا کہ لفظ'' بلکہ' کیا ہے؟ اُس کا قول تو''ہاں'' ہے کہ وہ تقدیرِ الٰہی کی موافقت کرتا ہے اور چُون و چرا کے ذریعے اُس ہر رائے زنی نہیں کرتا۔ نارِ نمرود میں گرتے وقت طرح طرح کی مخلوق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئی اور آپ کی مدد کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا لیکن آپ فرماتے رہے کہ:- مُجھے تمہاری مدد درکار نہیں ہے، اللہ میرے حال سے واقف ہے اِس لیے مُجھے سوال کی بھی حاجت نہیں ہے۔' یُوں جب تسلیم وتوکل درست ہوئی تو آگ سے کہہ دیا گیا کہ:- کُوْنِیْ

بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ۔ یعنی ٹھنڈی اور سلامتی والی ہوجا ابراہیمؑ پر۔"

جو شخص تقدیرِ الٰہی پر راضی ہوکر صبر اختیار کرتا ہے اِس کے لیے دُنیا میں اللہ کی بے شمار مدد ہے اور آخرت میں بے شمار نعمت ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے کہ صبر کرنے والوں کو پورا پورا اور بے شمار اجر دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں، اُس کی نظر کے سامنے ہے جو کچھ برداشت کرنے والے اُس کی خاطر برداشت کرتے ہیں۔ اُس کے ساتھ ایک ساعت کے لیے صبر کرو تو سالہا سال تک اُس کے لطف وانعام کو دیکھتے رہو گے۔ ایک ساعت کا صبر ہی تو شجاعت ہے۔ اپنے قلوب کی اِصلاح کرلو کیونکہ قلوب ہی تو ہیں کہ جب یہ سنور جاتے ہیں تو سارے حالات سنور جاتے ہیں۔۔۔۔۔ قلوب کا سنورنا تقویٰ، توکّل علی اللہ، توحید اور اعمال میں اخلاص سے ہے اور قلوب کا بگڑنا ان صفات کے معدوم ہونے سے ہے۔ قلب گویا پرندہ ہے بدن کے پنجرے میں، گویا موتی ہے ڈبے میں، گویا مال ہے صندوق میں۔ اہمیت پرندے کی ہے پنجرے کی نہیں، اہمیت موتی کی ہے ڈبے کی نہیں، اہمیت مال کی صندوق کی نہیں۔ الٰہی ہمارے اعضاء کو اپنی اطاعت میں اور ہمارے قلوب کو اپنی معرفت میں مشغول فرما ہمارے نیکوکار اسلاف میں ہمیں بھی وہی کچھ نصیب فرما جو انہیں نصیب فرمایا تھا اور ہمارا بھی ہوجا جیسا تو اُن کا ہوا تھا۔

لوگو! اللہ کے ہوجاؤ جیسا کہ پہلے نیک بندے اُس کے ہوگئے تھے یہاں تک کہ اللہ تُمہارا ہوجائے جیسا کہ اُن کا ہوگیا تھا۔ اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا ہوجائے تو اُس کی اطاعت کرو، اُس کی خاطر صبر کرو اُن افعال پر جو وہ تمہارے اور

دوسروں کے اندر صادر فرما رہا ہے، تم اُس کی رضا پر راضی ہونے میں مشغول ہو جاؤ۔ وہ لوگ دنیا میں زاہد بنے تھے اور انہوں نے اپنا مقام مقسوم تقویٰ و پرہیز گاری کے ہاتھ سے لیا تھا، پھر وہ طالبِ آخرت بنے اور انہوں نے اعمالِ صالحہ اختیار کئے۔ انہوں نے اپنے نفسوں کا کہا نہ مانا اور اپنے کی اطاعت کی ، اوّل خود کو نصیحت کی اور بعد میں دوسروں کے ناصح بنے۔

بیٹے! اوّل اپنے نفس کو نصیحت کر اِس کے بعد دوسروں کے نفس کو نصیحت کر، خاص اپنے نفس کی اِصلاح اپنے ذمّہ لازم سمجھ اور جب تک تیرے اندر کچھ بھی اِصلاح کی ضرورت باقی رہے دوسروں کی طرف توجہ مت کر۔ افسوس ہے تجھ پر کہ خود ڈوب رہا ہے، دوسروں کو کیونکر بچائے گا؟ تُو خود اندھا ہے، دوسروں کی دستگیری کیسے کرے گا؟ دوسروں کا ہاتھ تو وہی پکڑتا ہے جو خود صاحبِ دید ہوا اور لوگوں کو ڈوبنے سے وہی بچا سکتا ہے جو خود تیرنا جانتا ہو۔ لوگوں کو اللہ تک وہی پہنچا سکتا ہے جو خود اللہ تک پہنچا ہوا ہو، جو خود ہی اللہ سے جاہل ہے وہ اُس کا راستہ کیسے بتا سکتا ہے؟ اگر تُو اللہ کو محبوب سمجھتا ہے، خاص اُسی کے لیے عمل کرتا ہے اور صرف اُسی سے ڈرتا ہے تو اللہ کے تصرفات میں کلام مت کر کہ یہ مضمون قلب سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ زبان کی بک بک سے، اور یہ خلوت میں ہوتا ہے نہ کہ جلوت میں۔ توحید گھر کے دروازے پر ہو اور شرک گھر کے اندر ہو تو یہی نفاق ہے۔

افسوس ہے تجھ پر کہ تیری زبان تقویٰ پکارتی ہے اور تیرا دل فاجر بن رہا ہے، تیری زبان شکر کرتی ہے لیکن تیرا دل اعتراض کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:- اے

ابنِ آدم میری طرف سے تو تیری جانب خیر ہی اترتی ہے لیکن تیری طرف سے میری جانب شر ہی چڑھتا ہے۔' افسوس ہے تجھ پر کہ تُو دعویٰ تو کرتا ہے اللہ کا بندہ ہونے کا مگر اطاعت کرتا ہے اُس کے ماسویٰ کی۔ اگر تُو واقعی اُس کا بندہ ہوتا تو عداوت کرتا اُسی کے لیے، محبت کرتا اُسی سے کہ سچا مومن تو پیروی نہیں کرتا اپنے نفس کی، اپنے شیطان کی اور اپنی خواہش کی، وہ تو شیطان کو جانتا ہی نہیں اُس کی اطاعت کیا کرے گا؟ وہ دُنیا کی پرواہ ہی نہیں کرتا، اُس کے سامنے ذلیل کیا ہوگا؟ بلکہ وہ تو خود دنیا کو ذلیل سمجھتا ہے اور آخرت کا طالب بنتا ہے اور جب آخرت حاصل کر لیتا ہے تو اُس کو بھی چھوڑ دیتا ہے اور اپنے مولیٰ عزّوجل سے متصل ہو جاتا ہے اور اپنے تمام اوقات میں خالص اُسی کی عبادت کرتا رہتا ہے۔

اے بیٹے! صبر کا تکیہ رکھ اور موافقت کا پٹکا باندھ کر کشائش کے انتظار مین عبادت کرتا ہوا تقدیر کے پرنالے کے نیچے سوجا، جب تُو ایسا کرے گا تو مالکِ تقدیر تجھ پر اتنا فضل و انعام برسائے گا کہ جس کی طلب اور تمنا بھی تُو اچھی طرح نہیں کر سکتا۔

لوگو! تقدیرِ الٰہی کی موافقت کرو اور عبدالقادر کی بات مانو کہ وہ تقدیر کی موافقت میں کوشاں ہے، تقدیر کے ساتھ میری موافقت ہی نے مجھے قادر کی طرف آگے بڑھایا ہے۔

اے لوگو! آؤ ہم سب اللہ عزّوجل کے سامنے، اُس کے فعل کے سامنے اور اُس کی لکھی ہوئی تقدیر کے سامنے جھکیں اور اپنے ظاہری و باطنی سروں کو جھکا دیں، تقدیرِ الٰہی کی موافقت کریں اور اُس کے ہم رکاب بن کر چلیں اس لیے کہ وہ مالک کی

بھیجی ہوئی ہے، ہمیں اُس کے بھیجنے والے کی خاطر اُس کی عزت کرنی چاہیے۔ پس جب ہم اُس کے ساتھ ایسا برتاؤ کریں گے تو وہ ہمیں اپنے ساتھ اُٹھا کر قادرِ مطلق تک لے جائے گی اور وہ جگہ اللہ سچے کی ولایت ہے۔ اُس کے دریائے علم سے پینا، اُس کے خوانِ فضل سے کھانا، اُس کے انس سے مانوس ہونا اور اُس کی رحمت میں چھپنا تیرے لیے مبارک وخوشگوار ہوگا۔ بیٹا! تقویٰ کو ضروری سمجھ، شریعت کی حدود کو اپنے اوپر لازم کر، نفس وہوا وشیطان اور بری سنگت کی مخالفت کا پابند ہو جا کیونکہ ایمان والا بندہ تو ہمیشہ اُن کے ساتھ جہاد میں رہتا ہے، نہ اُن کے سر سے خود ہٹتا ہے۔ نہ اُس کی تلوار نیام میں جاتی ہے اور نہ اُس کے گھوڑے کی پیٹھ اُس کی زین سے خالی ہوتی ہے ۔۔۔۔۔ بیٹا! تجھ کو خلوت میں ایسے تقویٰ کی حاجت ہے جو تجھے معصیتوں اور لغزشوں سے باہر نکالے اور ایسے مراقبے کی ضرورت ہے جو تجھے اللہ تعالیٰ کا تیری طرف دیکھنا یاد دلاتا رہے۔۔۔۔۔۔ عام لوگوں کی بربادی لغزشوں سے ہے، زاہدوں کی تباہی خواہشِ نفس سے ہے اور ابدالوں کی ہلاکت خطراتِ خلوت سے ہے اور صدیقوں کی بربادی غیرِ حق کی طرف متوجہ ہونے سے ہے اُن کا شغل تو صرف اپنے قلوب کی حفاظت کرنا ہے، اِس لیے کہ وہ شاہی آستانے پر سونے والے ہیں، وہ مقامِ دعوت پر کھڑے ہونے والے ہیں کہ وہ خلقِ خدا کو معرفتِ الٰہی کی طرف بلائیں، وہ ہمیشہ قلوب کو پکارتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں :-'اے قلوب، اے اَرواح، اے انسانو، اے جنّو، اے بادشاہ کے طلبگارو! چلو شاہی دروازے کی طرف، لپکو اُس کی جانب اپنے قلوب کے قدموں سے، تقویٰ وتوحید ومعرفت اور زہد کے قدموں سے۔ یہ ہے

اُن لوگوں کا شغل، اُن کی ہمّتیں اِصلاحِ خلق میں مصروف ہیں، اُن کی ہمّتیں عرش سے تحت الثریٰ تک زمین وآسمان کو شامل ہیں۔ اے بیٹے! اُن مقدس لوگوں کے قدموں کے نیچے کی زمین ہو جا، اُن کے سامنے خاک بن جا، خدا تجھ میں حیات ڈال دے گا کہ وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مُردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ مومن زندہ ہے اور کافر مُردہ ہے، صاحبِ توحید زندہ ہے مشرک مُردہ ہے، اِسی لئے تو اللہ تعالیٰ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک کلام میں فرمایا ہے کہ سب سے پہلا شخص جو میری مخلوق میں مُردہ ہوا وہ ابلیس ہے۔ یعنی اُس نے میری نافرمانی کی اور اِس کی وجہ سے وہ مُردہ بن گیا، یہ آخری زمانہ ہے اور نفاق وجُھوٹ کا بازار گرم ہے۔ مت بیٹھو منافقوں، جُھوٹوں اور دجّالوں کے ساتھ، افسوس ہے تُجھ پر کہ تیرا نفس منافق ہے، جُھوٹا ہے، کافر ہے، فاجر ہے اور مشرک ہے، تُو اُس کے ساتھ کس طرح بیٹھتا ہے؟ اُس کی مخالفت کر، اُس کی موافقت مت کر، اُس کو قید کر، اُس کو آزاد مت چھوڑ اور اُسے مجاہدوں سے کُوٹ۔ اپنی خواہش پر سوار ہو جا، اُسے چھوڑ مت ورنہ وہ تُجھ پر سوار ہو جائے گی، طبیعت کا ساتھ مت دے کہ وہ ناسمجھ بچے کی مثل ہے تُو اُس بچے سے کس طرح پڑھتا ہے قبول کرتا ہے؟

اے بیٹے! دُنیا وآخرت کو ملا کر ایک جگہ رکھ دے اور اپنے قلب کو اِن دونوں سے خالی کر کے اپنے مولیٰ کا ہو کر رہ جا۔ خالق سے جدا ہو کر مخلوق کے ساتھ مقیّد مت بن۔ اُن اسباب وارباب کو قطع کر دے جنہیں تُو نے اپنا معبود بنا رکھا ہے، جب تُو اِس پر قادر ہو جائے تو پھر دُنیا کو اپنے نفس کے لیے اختیار کر، آخرت کو قلب کے لیے اختیار کر اور مولیٰ کو باطن کے لئے اختیار کر۔ اے بیٹے! ساتھ نہ دے نفس کا، خواہش کا، دُنیا

کا، آخرت کا اور نہ پیچھے بھاگ ماسوی اللہ کے۔ پس ایسا خزانہ پائے گا جو کبھی فنا نہ ہوگا اور حق تعالیٰ کی طرف سے تیرے پاس ایسی ہدایت آئے گی کہ پھر گمراہی نہ ہوگی۔ توبہ کر اپنے گناہوں سے اور بھاگ اپنے مولیٰ کی طرف جب تُو توبہ کرے تو چاہیے کہ تیرا ظاہر بھی توبہ کرے اور باطن بھی توبہ کرے۔ معصیّتوں کے کپڑے اتار پھینک اور خالص توبہ کر۔ اللہ تعالیٰ سے حقیقی حیا کر کہ یہ اعمالِ قلوب میں سے ہے۔ قالب کا بھی ایک عمل ہے قلب کا بھی ایک عمل ہے۔ قلب جب تعلقاتِ اسباب و مخلوق کے بیابانوں سے نکل جاتا ہے تو اسباب کو چھوڑ کر خالقِ اسباب کا طالب بن جاتا ہے اور معرفتِ الٰہی وعلمِ الٰہی کے سمندر پر سوار ہو جاتا ہے اور جب اُس سمندر کے وسط میں پہنچتا ہے تو کہتا ہے:- وہی مجھے راستہ دکھائے گا جس نے مجھے پیدا کیا ہے "۔ تب اُسے ہدایت ہوتی رہتی ہے ایک ساحل سے دوسرے ساحل تک اور ایک جگہ سے دوسری جگہ تک یہاں کہ وہ صراطِ مستقیم پر جا ٹھہرتا ہے۔ پھر جب وہ اپنے رب کو یاد کرتا ہے تو اُس کا راستہ روشن ہو جاتا ہے اور گرد و غبار ہٹ جاتا ہے۔ طالب حق کا قلب مسافتوں کو قطع کرتا ہے پیچھے چھوڑ جاتا ہے اور جب راستہ میں کسی ہلاکت کا خوف دامن گیر ہوتا ہے تو اُس کا ایمان ظاہر ہو کر اُسے شجاع بناتا ہے جس سے وحشت و خوف کے شعلے بُجھ جاتے ہیں اُس کے بدلے فرحتِ انس و قرب کا نُور آ جاتا ہے۔ اے بیٹے! جب تُجھ کو کوئی مرض لاحق ہو تو صبر کے ہاتھ سے اُس کا اِستقبال کر اور سکون سے رہ یہاں تک کہ اُس کی دوا آ جائے اور جب دوا آ جائے تو اُس کا اِستقبال کر شکر کے ہاتھ سے کہ دُنیا میں بھی تُجھ کو عیش حاصل رہے گا۔

اے بیٹے! تیرا فکر یہ نہیں ہونا چاہیے کہ تُو کیا کھائے گا۔ کیا پیے گا، کیا پہنے گا، کس سے نکاح کرے گا، کہاں آرام کرے گا اور کیا جمع کرے گا۔ یہ سب تو نفس و طبیعت کا فکر ہے، پس کہاں ہے تیرے قلب اور تیرے باطن کا فکر یعنی حق تعالیٰ کی طلب؟

پس مناسب ہے کہ تیرا فکر، تیرا ربّ اور وہ چیز ہو جو ربّ کے پاس ہے۔ دُنیا کا بدل بھی موجود ہے یعنی آخرت اور مخلوق کا بدل بھی ہے یعنی خالق۔ پس اِس دُنیا میں تُو جس چیز کو بھی چھوڑے گا عقبیٰ میں اُس کا عوض اور اُس سے بہتر بدل تیرے لیے پیدا کر دے گا۔ یُوں سمجھ کہ تیری عمر کا صرف یہی ایک دن باقی ہے۔

اے کذّاب! تُو نعمت کی حالت میں خُدا کو محبوب سمجھتا ہے لیکن جب بَلا آتی ہے تو تُو بھاگ کھڑا ہوتا ہے، گویا اللہ تیرا محبوب تھا ہی نہیں۔ بندہ تو آزمائش ہی کے وقت ظاہر ہوتا ہے۔ پس جب اللہ کی طرف سے بلائیں آئیں اور تُو جما رہے تو بے شک تو مُحبّ ہے اور اگر تیری حالت میں تغیّر آ جائے تو تیرا جُھوٹ کُھل گیا اور تیرا دعویٰ محبت باطل ہو گیا۔

ایک شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ حضور میں آپ سے محبت کرتا ہوں آپ نے فرمایا:" پھر فقر کو اوڑھنا بچھونا بنانے کے لیے تیار ہو جا' ایک دوسرا شخص حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ حضور مَیں اللہ سے محبت کرتا ہوں۔ فرمایا" پھر بلاؤں کو اوڑھنا بچھونا بنانے کے لیے تیار ہو جا۔' اللہ اور اُس کے رسول سے محبت فقر اور بلا کے ساتھ مشروط ہے۔ ایک بزرگ کا فرمان ہے کہ:- بلا و مصیبت کو

ولایت پر تعیّنات کر دیا گیا ہے تا کہ ہر کوئی ولایت کا دعویٰ نہ کر سکے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہر شخص اللہ کی محبت کا مدّعی بن بیٹھتا۔ پس بلا اور فقر پر جمے رہنے کو خدا اور رسول کی محبت کے لیے علامت بنا دیا گیا ہے۔ الٰہی ہمیں دنیا میں بھی اپنے قرب و وصال عطا فرما اور آخرت میں بھی اپنے قرب و وصال میں رکھنا اور ہمیں ہجر و فراق کی آگ کے عذاب سے محفوظ فرما دے، آمین!۔ (الفتح الربانی مجلس اوّل)

الغرض! دین، ایمان اور اسلام اُس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک کہ علم و اعمال ظاہر کے ساتھ ساتھ علم و اعمال باطن اختیار نہ کیے جائیں۔ ظاہر و باطن میں سے کسی ایک کو بھی اگر نظر انداز کر دیا جائے تو دین ادھورا رہ جاتا ہے اور سب کیا کرایا باطل اور بے سُود ہو جاتا ہے۔ آپ دیکھتے نہیں کہ یہودیوں نے باطن سے منہ موڑ کر خود کو صرف ظاہر تک محدود کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن سے سعادت چھین کر انہیں مغضوب قرار دے دیا اور نصاریٰ نے ظاہر کو چھوڑ کر صرف باطن پر انحصار کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں " ضَآلِّیْن' یعنی گمراہ قرار دے دیا۔

آیئے آپ بھی تھوڑی دیر کے لیے اپنا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ کیا آپ اِسلام میں پُورے پُورے داخل ہیں؟ کہیں آپ نے اِسلام کے ظاہر و باطن میں سے کسی ایک رخ کو نظر انداز کر کے اِسلام کو اَدھورا تو نہیں کر دیا؟ اگر آپ کے پاس اِسلام ادھورا ہے تو کیا آپ کو اپنے اِس زیان کا احساس ہے؟ اگر احساس ہے تو کیا آپ اِس کے ازالے کے لیے تیار ہیں؟ اگر آپ اِس زیان کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں اور دین و اِسلام کو ظاہر و باطن میں کامل کرنا چاہتے ہیں تو آیئے اصلاحی جماعت میں شامل ہو کر

اِس سعید مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے عملی ثبوت دیں ورنہ ہوائے نفس آپ کو رُسوا کر کے رہے گی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:-" اَلْاَحْمَقُ مَنِ اتَّبَعَ الْھَوٰی وَتَمَنّٰی عَلَی اللّٰہِ الْمَغْفِرَۃِ"

ترجمہ:-''احمق ہے وہ شخص جو پیری تو کرتا ہے ہوائے نفس کی اور توقع رکھتا ہے اللہ سے مغفرت کی۔' اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے حفظ و امان میں رکھے اور ہمیں اِسلام میں پُورا پُورا داخل ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!۔

وَمَا عَلَیَّ اِلَّا الْبَلَاغُ

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَاَھْلِبَیْتِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَلدَّاعِیْ اِلَی الْخَیْرِ: سید امیر خان نیازی سروری قادری

خادم اصلاحی جماعت دربارِ عالیہ سلطان العارفین حضرت سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ